

## جاوید نامہ: پس منظر و تعارف

فضل کبیر

لیکچرار شعبہ اردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور

ڈاکٹر سبحان اللہ

صدر شعبہ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج لاہور (صوابی)

ڈاکٹر بادشاہ ملک

مردان

## Abstract

In this research article, the researcher attempted to discover what was happening and when Allama Iqbal began writing poetry in Persian. In this respect, several letters and number of citation have been critically analysed. The study also examines the content analysis of Allama Iqbal's well known book "Javeed Nama" written in Persian. Javeed Nama subject, language and style selection were critically analysed in the study.

**Key words:** Iqbal Javeed, Nama, Roomi, Dante, Nietzsche, Firoan, Jamaluddin afgani

کلیدی الفاظ: علامہ اقبال، جاوید نامہ، رومی، دانٹے، نطشے، فرعون، جمال الدین افغانی

## پس منظر:

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال (9 نومبر 1877-21 اپریل 1938ء) کی جملہ ہائے تصانیف کو دوامی شہرت حاصل ہے۔ اُن کے افکار و خیالات میں سمندر کی سی گہرائی موجود ہے۔ اس گہرائی میں اترنے اور ان افکار کے موتیوں کو حاصل کرنے کے لیے عمر عزیز کا بیشتر حصہ مطالعے کے لیے وقف کیے بغیر ممکن نہیں۔ انھیں جب اپنے عظیم افکار کی پیش کش کے لیے اردو کا دامن تنگ نظر آیا تو فارسی کی طرف متوجہ ہوئے۔ فارسی زبان میں اقبال سے پہلے رومی (1207-1273) شیخ سعدی (1210-1291) اور حافظ (1325-1390) جیسے بلند پایہ شعراء کی مثالیں موجود تھیں۔ لیکن ان مسلّمہ فارسی اسالیب کے ہوتے ہوئے بھی علامہ اپنے لیے ایک جداگانہ اور منفرد سبک قائم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں جو انھی کے نام سے موسوم بھی ہے اور مسلم بھی۔

شیخ عبدالقادر (1874ء-1950ء) ان کا فارسی کی طرف آنے کے متعلق ایک واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

”ایک مرتبہ وہ ایک دوست کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سنانے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ انہیں سوائے ایک آدھ شعر کبھی کہنے کے فارسی میں کوشش نہیں کی۔ مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آکر بستر پر لیٹے ہوئے، باقی وقت وہ شاید فارسی اشعار کہتے رہے اور صبح اٹھتے ہی مجھ سے ملے تو دو تازہ غزلیں فارسی میں تیار تھیں جو انہوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انہیں اپنی فارسی گوئی کی قوت کا حال معلوم ہوا۔-----  
اور یوں طبیعت کا رخ فارسی کی طرف ہو گیا۔“ (۱)

شیخ عبدالقادر ایک اور جگہ اقبال کی فارسی سے واقفیت کی وجہ ان کے استاد سید میر حسن (1844ء-1929ء) قرار دیتے ہیں:

”ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے، اس کی طبیعت میں اس زبان کا صحیح مذاق پیدا کر دیتے ہیں۔ اقبال کو بھی اپنی ابتدائی عمر میں مولوی سید میر حسن سا استاد ملا طبیعت میں علم و ادب سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب سے موصوف نے کی۔ سونے پر سناگا ہو گیا۔“ (۲)

شیخ عبدالقادر کے دونوں بیانات سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ بچپن سے علمی اور ادبی ماحول و تربیت کی بدولت ان کا فارسی زبان و ادب کا ذوق پروان چڑھا۔ بعد میں جب ان کو اپنے افکار کے لیے اردو زبان کی بے بضاعتی کا احساس ہوا تو فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔ اس میلان کے متعلق علامہ کا شعری اظہار ملاحظہ ہو:

گرچہ ہندی در عذوبت شکر است  
طرز گفتار درمی شیریں تر است  
فکر من از جلوہ اش مسور گشت  
خامہ من شاخ نخل طور گشت  
پارسی از رفعت اندیشہ ام  
در خور و با فطرت اندیشہ ام (۳)

18 جنوری 1915ء کو مولانا گرامی (1825ء-1927ء) کو ایک خط میں فارسی زبان کو پیرایہ اظہار بنانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے

ہیں:

”اردو اشعار لکھنے سے دل برداشتہ ہو جاتا ہوں فارسی کی طرف زیادہ میلان ہو جاتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ دل کا  
غبار اردو میں نکال نہیں سکتا۔“ (۴)

اسی خط میں علامہ نے مولانا گرامی کو اپنی پہلی تصنیف ”اسرار خودی“ (۵) کی تکمیل سے بھی آگاہ کیا۔

”جاوید نامہ“ فارسی زبان میں علامہ کی ایک مقبول اور شاہکار تصنیف ہے۔ یہ ہیئت کے لحاظ سے مثنوی اور موضوع کے لحاظ سے افلاکی سفر نامہ (معراج نامہ) ہے۔ علامہ اپنی دیگر تصانیف کے برعکس اسے اپنی زندگی کا ماحصل اور ذہن کا نچوڑ قرار دیتے ہیں۔ فروری ۱۹۳۲ء کو شائع ہونے والی اس کتاب کی تکمیل میں دو سال لگے تھے۔ علامہ اسے جیٹہ تحریر میں لانے سے قبل اس نوعیت کے تمام افلاکی سفر ناموں اور خصوصاً اسلامی فلسفہ، احادیث، معراج نبوی ﷺ اور دیگر کتابوں کا مطالعہ کر چکے تھے۔ علامہ کو اپنے فلسفہ حیات اور اپنے دور کے مشترکہ سیاسی مسائل کو تمثیلی انداز میں پیش کرنا تھا۔ ادبیات عالم میں اس نوعیت کی اسلامی ادب میں اہم اور معروف کتاب شیخ محی الدین ابن عربی (۶) (1168-1220ء) کی ”فتوحات کبیرہ“ اور دوسری اہم کتاب

ابوالعلاء معری (973-1057) کا ”رسالہ العفران“ اور مغربی ادب میں اس طرز کی کتاب دانستے (۷) (1321ء-1268ء) کی ”طربہ خداوندی“ ہے۔ ان تمام افلاکی معراج ناموں میں ”طربہ خداوندی“ اور ”فتوحات مکبہ“ شرق و غرب دونوں میں مقبول عام ہے۔ علامہ کے مختلف خطوط سے پتہ چلتا ہے، کہ جاوید نامہ کے لیے مواد کی تلاش انھوں نے 1930ء سے شروع کی تھی۔ شیخ اکبر کی ”فتوحات مکبہ“ اور دانستے کی ”طربہ خداوندی“ تو پہلے سے علامہ کے زیر مطالعہ رہ چکے تھے، لیکن ایک خط میں حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری (1500-1562) کے ایک رسالے کی تلاش کے متعلق لکھتے ہیں:

”حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سے یہ معلوم کیجئے کہ آیا ان کے بزرگوں کے کتب خانے میں حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری کا وہ رسالہ موجود ہے۔ جس میں انھوں نے آسمانوں اور سیاروں کی سیر کا ذکر کیا ہے۔ مجھے اس کی مدت سے تلاش ہے۔“ (۸)

19 جون 1930ء کے ایک خط سے واضح ہوتا ہے، کہ کتاب کا نام ”سراسماء“ ہے اور تلاش جاری ہے۔

”سراسماء کا ذکر میں نے آج تک نہیں سنا۔ اس کتاب کی تلاش بھی جاری رکھیے میں نہایت ممنون ہوں

گا۔“ (۹)

اس سے اگلے کئی خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی تلاش جاری رہی لیکن کتاب نہ ملی چنانچہ ۲۵ جولائی 1930ء کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

”میرا مقصود سراسماء کے مطالعے سے علمی تحقیقات نہیں۔۔۔۔۔ میرا مقصد اس تحقیق سے ہے جس کی بنیاد مکاشفات قلبی پر ہو۔“ (۱۰)

جولائی 1930ء کو ڈاکٹر ناموس شجاع منعمی (1900ء-1918ء) کو ایک خط میں ”سراسماء“ کے مطالعے کے بارے میں کہتے ہیں، شاید ڈاکٹر ناموس کو کتاب مل گئی ہو۔

”آپ نے کتاب ”سراسماء“ کے سلسلہ میں جو زحمت گوارا فرمائی اس کے لیے نہایت ممنون ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کتاب کا بغور مطالعہ فرمائیں مجھے صرف اس قدر اطلاع کی ضرورت ہے کہ آیا اس کتاب کا موضوع فلکیات سے ایک سا متفقہ بحث ہے یا صرف اس میں آسمان کی کیفیات متخیل یا مذہبی تجربہ یعنی مشاہدہ روحانی یا وحی الہامی کے بناء پر لکھی گئی ہے۔“ (۱۱)

کتاب کی تکمیل کے مراحل تک علامہ خطوط کے ذریعے اپنے دوستوں کو اس کے متعلق آگاہ کرتے رہے۔ 20 جنوری 1931ء کو ڈاکٹر ناموس شجاع منعمی کو ایک خط میں رقمطراز ہیں:

”آخری نظم ”جاوید نامہ“ جس کے دو ہزار اشعار ہوں گے ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ممکن ہے مارچ تک ختم ہو جائے۔ یہ ایک قسم کی ”ڈیوائن کامیڈی“ ہے اور ”مشوئی مولانا روم“ کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ اس کا دیباچہ بہت دلچسپ ہوگا۔ اور اس میں غالباً ہندو ایران بلکہ تمام دنیائے اسلام کے لیے نئی باتیں ہوں گی۔“ (۱۲)

دوسری گول میز کانفرنس کے لیے انگلستان روانہ ہونے سے پہلے سردار بیگم (۱۳) کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں:

”جاوید نامہ“ میں نے چھپنے کے لیے دیا ہے اور اس کے متعلق ضروری ہدایات منشی طاہر الدین اور چودھری محمد حسین صاحب (1892ء-1950) کو دی ہیں۔ چونکہ یہ کتاب جاوید کے نام پر لکھی گئی ہے اس واسطے وہی اس کتاب کا مالک ہے۔ اس کی تمام آمدنی اخراجات اشاعت



”میری رائے میں میری کتابوں میں سے صرف جاوید نامہ ایک ایسی کتاب ہے جس پر  
مضور طبع آزمائی کرے تو دنیا میں نام پیدا کر سکتا ہے مگر اس کے لیے پوری مہارت فن کے علاوہ الہام  
الہی اور صرف کثیر کی ضرورت ہے۔“ (۲۱)

اپنی وفات سے چند روز قبل یعنی ۱۸ اپریل 1938ء کو اسی مضور کے نام ایک خط میں تحریر کرتے ہیں:

”آپ محض فن مصوری میں اضافہ نہیں کر رہے بلکہ دنیائے اسلام میں بحیثیت ”مضور  
اقبال“ ایک زبردست خدمت انجام دے رہے ہیں جو شاید قدرت آپ ہی سے لینا چاہتی ہے۔ پوری  
مہارت فن کے ساتھ اگر آپ نے جاوید نامہ پر خامہ فرسائی کی تو زندہ رہو گے۔“ (۲۲)

ان تمام بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال اپنی دیگر تصانیف کی نسبت ”جاوید نامہ“ کو زیادہ اہمیت دیتے تھے اور اپنی زندگی کا حاصل قرار دیتے

تھے۔

مختصر تعارف: کتاب کا آغاز مناجات سے ہوتا ہے۔ مناجات کے بعد ایک منظر میں شاعر شام کے وقت دریا کے کنارے رومی کے اشعار کا ورد  
کر رہا ہوتا ہے۔ اسی اثنا میں ان کی روح حاضر ہوتی ہے۔ شاعر نو وارد روح سے کئی سوالات پوچھتے ہیں، مگر اہم سوال یہ ہوتا ہے کہ انسان کی روح زمان و مکان  
کے قید سے کس طرح باہر کی جاسکتی ہے۔ اس سوال کا مقصد اس افلاک کی سفر نامے کو ایک فلسفیانہ جواز پیدا کرنا تھا۔ اس کے بعد زمان و مکان کے دو چہرے  
(ایک چہرہ روشن دوسرا تاریک) نمودار ہوتے ہیں۔

فلک تمر:

اس کے بعد شاعر (زندہ رود) اور رومی کی روح ہوا میں اڑتی ہوئی چاند کے ایک کوسہار میں پہنچ جاتی ہیں۔ جہاں وہ ایک نغمہ سننے ہیں جس میں  
انھیں خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ یہاں دونوں ٹھہرتے ہیں۔ دوران قیام وہ چند غاروں میں جاتے ہیں۔ جہاں ایک غار میں ان کی ملاقات مشہور ہندی عارف  
وشوامتر سے ہوتی ہے۔ جن کا ذکر شاعر نے جہاں دوست کے نام سے کیا ہے۔ وشوامتر سوچ بچار میں غرق ہیں اور ان کے سر پر ایک سفید سانپ کنڈلی مارے  
بیٹھا ہے۔ وشوامتر رومی کو پہچان لیتے ہیں لیکن ہمراہ رفیق سفر (زندہ رود) کے بارے پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ جواب میں رومی اپنے رفیق کا مختصر تعارف  
کرتے ہیں۔ تعارف کے بعد وشوامتر زندہ رود کی علمی استعداد جانچنے کی خاطر چند سوالات پوچھتے ہیں۔ شاعر وشوامتر کو تسلی بخش جواب دے کر چاند کی ایک  
وادئیر غنم کی طرف بڑھتے ہیں۔ فرشتوں نے اس وادی کا نام طواسین رکھا ہے۔ یہاں شاعر نے حضرت محمدؐ، حضرت عیسیٰؑ، زرتشت اور گوتم بدھ کی  
تعلیمات پر روشنی ڈالی ہے۔

یہ طواسین رسل چار طواسین پر مشتمل ہیں۔ جسے شاعر نے یہ نام دیے ہیں:

طاسین گوتم (توبہ آوردن زن ر قاصہ عشوہ فروش)

طاسین زرتشت (آزمائش کردن اہر من زرتشت را)

طاسین مسیح (رویائے حکیم طالسائی)

طاسین محمد ﷺ (نوحہ عروج ابو جہل در حرم کعبہ)

فلک عطارد:

فلک عطارد میں دونوں کی ملاقات اتحاد المسلمین کے عظیم علمبردار اور عظیم رہنماؤں سعید حلیم پاشا اور سید جمال الدین افغانی سے ہوتی ہے۔

رومی افغانی کو اپنے رفیق کا نام زندہ رود بتاتے ہے۔ افغانی زندہ رود سے اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی حالت زار کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ زندہ رود انھیں  
امت مسلمہ کی موجودہ حالات سے آگاہ کرتے ہیں۔ سید جمال الدین یہاں مملکت روس کو ایک پیغام بھی دیتے ہیں، جس میں اسلام اور اشتراکیت کا موازنہ کیا گیا

ہے اور کارل مارکس کو پیغمبر بے جبریل کہا گیا ہے۔ سعید حلیم پاشا شرق و غرب کے انسانوں کے فطری اختلاف پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فرنگیوں کا شعلہ اب مدہم ہو چکا ہے اور ترکوں کے نام ایک پیغام بھی دیتے ہیں۔

فلک زہرہ:

فلک عطارد کے بعد مرشد رومی اور شاعر فلک زہرہ پر نمودار ہوتے ہیں۔ فلک زہرہ خوبصورت پہاڑوں اور پر بہار مرغزاروں کا پس منظر پیش کر رہا ہے۔ یہ قدیم خداؤں کا مسکن ہے۔ فلک زہرہ کے پہاڑوں کے ایک طرف شاعر سمندر میں فرعون اور لارڈ کچنر پانی میں ڈوبنے دیکھتے ہیں۔ رومی بتاتے ہیں کہ یہ جگہ مغرور اور سرکش لوگوں کے لیے مختص ہے۔ شاعر رومی کا ہاتھ تھام کر سمندر میں اترتے ہیں۔ اس دوران فرعون کچنر سے پوچھتا ہے کہ مصر میں قبروں کی جو کھدائی ہو رہی ہے اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟ کچنر کہتے ہیں کہ ہم آثار قدیمہ کی خدمت کرتے ہیں تاکہ اقوام قدیم کے حالات معلوم کر سکیں۔ فرعون پھر کہتا ہے کہ میری قبر تو آپ نے علم و حکمت کی خاطر کھودی، لیکن درویش سوڈانی کی قبر میں کیا تھا؟ کچنر کے پاس اس معقول سوال کا کیا جواب ہو سکتا تھا؟ اس کے بعد مہدی سوڈانی کی روح جنت کے طرف پرواز کرتے ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ شاعر کی زبان سے اقوام عرب کے لیے ایک پیغام دیا جاتا ہے۔ فلک زہرہ میں سب سے اہم مہدی سوڈانی کا یہ پیغام ہے:

گفت ای روح عرب بیدار شو  
چون نیاکان خالق اعصار شو  
زندہ کن در سبب آن سوزی کہ رفت  
در جهان باز آور آن روزی کہ رفت  
زندگانی تا کجایی ذوق سیر  
تا کجا تقدیر تو در دست غیر  
از بلا ترسی، حدیث مصطفیٰ است  
مرد در روز بلاروز صفاست (۲۳)

فلک مرنج:

شاعر اور رومی کی اگلی منزل فلک مرنج ہے۔ یہ اس کرہ ارض کی طرح ہے اور اس میں شہر اور پہاڑ بھی موجود ہیں۔ یہاں پر شاعر کی ملاقات حکیم مرنجی نامی فلسفی سے ہوتی ہے۔ حکیم مرنجی دنیا کے حالات سے باخبر ہیں اور مسافروں کو دنیا کے حالات سے آگاہ رکھتے ہیں۔ حکیم مرنجی اور شاعر کے درمیان گفتگو میں مسئلہ تقدیر و تدبیر پر بحث ہوتی ہے۔ حکیم مرنجی اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد رومی اور شاعر فلسفی کے ہمراہ شہر کے ایک وسیع و عریض میدان میں پہنچتے ہیں۔ اس وسیع میدان میں شاعر کو ایک عورت دکھائی دیتی ہے جو لوگوں کے سامنے تقریر کر رہی ہے، لیکن اس کے چہرے پر نور اور تقریر میں جوش نہیں۔ یہ عورت پیغمبری کا دعویٰ بھی کرتی ہے۔ اس عورت کی تقریر کے ذریعے شاعر مغرب کی تقلید کرنے والی مشرقی خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح اس عورت کا چہرہ چمکدار دکھائی دینے کے باوجود نور سے عاری ہے اسی طرح وہ پیغام جس میں وہ عورتوں کو مردوں کی "غلامی" نکل کر "حر" بننے کی بات کرتی ہے، دل خوش کن دکھائی دینے کے باوجود غلط ہے۔

فلک مشتری:

فلک مرنج کے بعد رومی اور شاعر فلک مشتری پر نمودار ہوتے ہیں۔ شاعر فلک مشتری میں ارواحِ جلیلہ منصور حلاج، غالب اور ایران کی حسین و جمیل شاعرہ قرۃ العین طاہرہ سے ملتے ہیں۔ یہ تینوں وہ روحیں ہیں جنہوں نے بہشت جانے کے بجائے گردشِ جاوداں کو ترجیح دی۔ شاعر اپنے مسائل اور مشکلات ان ارواح کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شاعر حلاج سے چند سوالات پوچھتے ہیں اور حلاج جواب میں تقدیر کی حقیقت پر مدلل گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا نالائق کہنا کفر نہیں تھا، بلکہ انہوں نے خودی کا مظاہرہ کیا تھا۔ آگے حلاج خودی کے متعلق حقائق پر بھی گفتگو کرتے ہیں۔ یہاں حلاج ایک

مسلمان صوفی کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ یہاں شاعر غالب کی شاعری کے حوالے سے ان کی روح سے ادبی اور علمی سوالات پوچھتے ہیں اور قرۃ العین طاہرہ پر سوز انداز میں اپنی ایک مشہور غزل پیش کرتی ہیں:

گر بتوافتم نظر چہ رہ چہ رہ و برو  
شرح دہم غم تراکتہ بہ تکتہ موبہ مو  
از پی دیدن رخت ہچو صبا فتادہ ام  
خانہ بہ خانہ در بدر کوچہ کوچہ کو بکو  
در دل خویش طاہرہ گشت و نمدید جز ترا  
صفحہ بہ صفحہ لایہ لاپردہ بہ پردہ توبہ تو (۲۴)

ان تینوں ارواح سے مکالمے کا یہ سلسلہ ختم ہوتے ہی تاریکی چھا جاتی ہے۔ اس تاریکی میں دفعتاً بللیس نمودار ہوتا ہے۔ پیر رومی بللیس کو خواجہ اہل فراق کے نام سے پکارتے ہیں۔ بللیس شاعر سے اپنا تعارف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے آدم کی شخصیت کی تکمیل اور ذوق اختیار کی خاطر قربانی پیش کر کے اپنے آپ کو بد کردار بنایا۔ بللیس اور شاعر کے مکالمے کے بعد بللیس خداوند تعالیٰ کے دربار میں ایک نالہ بلند کرتا ہے۔ اسے انسانوں سے شکوہ ہے کہ آج کا مسلمان میرا حریف نہیں بن سکتا۔ وہ اس قابل نہیں کہ اس کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ بللیس مزید کہتا ہے کہ انسان اپنی خودی کی عظمت سے بے خبر ہو چکا ہے، اور میرے آگے سر خم تسلیم کر چکا ہے۔ وہ اللہ کے حضور شکایتی انداز میں کہتا ہے کہ اگر مجھے اتنے بڑے طاقتور بللیس کے طور پر پیدا کیا تو حریف کو بھی اتنی ہی طاقت دیتے کہ وہ میرا مقابلہ کر سکتا۔

فلک زحل:

اب رومی اور شاعر فلک زحل پر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مقام گزشتہ مقامات سے مختلف ہے۔ اس فلک پر شاعر کو ایسے اشخاص دکھائی دیتے ہیں جنہیں وفات کے بعد دوزخ نے بھی قبول نہیں کیا۔ یہ اشخاص عذاران ملت میر جعفر (1691-1725) اور میر صادق (1800 وفات) ہیں۔ دونوں نے اپنے ذاتی فائدے کی خاطر ملت و قوم کا سودا کیا اقبال فرماتے ہیں۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن

نگ آدوم، ننگ دین، ننگ وطن (۲۵)

اول الذکر نے صوبہ بنگال سراج الدولہ (1733-1757) سے غداری کی جبکہ آخر الذکر نے ٹیپو سلطان (1751-1799) سے غداری کی۔ دونوں کی غداری کی وجہ سے ہندوستان غلام بنا، اور انگریز مسلط ہوئے۔ اس کے بعد شاعر ہندوستان میں غلامی کے اسباب اور موجودہ سیاسی حالات پر شاعرانہ گفتگو کرتے ہیں۔ آخر میں موجودہ دور کے غداریوں سے محتاط اور ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

فلک زحل کے اس پہلے حصے کے ساتھ افلاک کا یہ سفر ختم ہو جاتا ہے۔ اب شاعر اور رومی افلاک کی دوسری طرف جاتے ہیں، جہاں ان کو ایک شخص نظر آتا ہے۔ شاعر اس شخص سے واقف نہیں۔ رومی کہتا ہے کہ یہ جرمنی کا حکیم نشٹے ہیں۔ جن کا مقام دونوں جہانوں کے درمیان یہ سرحد ہے۔ یہ اب تک ایک پرانا نغمہ گاتے ہیں۔ یہ اپنے دور کے منصور حلاج تھے۔ جنہیں اپنے زمانے کے لوگ نہ پہچان سکے بلکہ موت کے بعد مقبول عام ہوئے۔ ان کے الفاظ بے باک مگر خیالات عظیم تر تھے۔ رومی کہتے ہیں کہ یہ مقام کبریائی تلاش میں تھے لیکن درائے عقل و حکمت تھے۔ رومی مزید کہتے ہیں کہ اگر یہ احمد سرہندی (حضرت مجدد الف ثانی) کے زمانے میں ہوتے تو شاید ان کی وجہ سے انہیں اپنی منزل ملتی۔

کاش بودی در زمان احمدی

تار سیدی بر سرور سردی (۲۶)

یہ دونوں ہم سفر نشتے کو اپنے حال پہ چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔ اس کے بعد دونوں باغ بہشت تک پہنچتے ہیں۔ بہشت کے پہلے حصے میں حاکم پنجاب عبدالصمد کی بیٹی شرف النساء کا محل دیکھتے ہیں۔ شرف النساء کی زندگی دین سے عشق و جنون کی ایک مثال تھی۔ وہ ہر لمحہ تلاوت قرآن میں مشغول رہتی۔ اس نے شاہی محل کے ایک کونے میں اپنے لیے ایک چبوترہ بنایا تھا۔ جہاں وہ ہر روز آکر تلاوت کرتی تھی۔ چبوترے میں اس نے ایک تلوار کے ساتھ قرآن کا ایک نسخہ رکھا تھا۔ اس نے وصیت کی تھی کہ میرے قرآن اور تلوار کو میرے ساتھ دفنایا جائے۔

بہشت کے ایک دوسرے حصے میں شاعر کی ملاقات مشہور صوفی بزرگ اور مبلغ اسلام سید علی ہمدانی اور کشمیر سے تعلق رکھنے والے فارسی زبان کے شاعر غنی کاشمیری سے ہوتی ہے۔ شاعر ان سے کشمیر کے ماضی، حال اور مستقبل کے سیاسی اور سماجی حالات پر گفتگو کرتے ہیں۔ اس سیر میں شاعر سری نگر کے نیم باغ اور نشاط باغ کی سیر سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس کے بعد شاعر کی ملاقات سنسکرت زبان کے شاعر بھرتی ہری سے ہوتی ہے۔ بھرتی ہری اور شاعر کے درمیان ہندوستان کے سیاسی حالات پر گفتگو ہوتی ہے۔ ساتھ ہی بھرتی ہری اپنی ایک نظم بھی پیش کرتے ہیں۔ بھرتی ہری سے ملاقات کے بعد شاعر سلاطین مشرق کے مہلات کی سیر کرتے ہیں۔ ان سلاطین میں نادر شاہ افشار، احمد شاہ ابدالی اور سلطان ٹیپو شہید شامل ہیں۔ اسی طرح شاعر ابدالی سے ملت افغانیہ اور نادر شاہ سے ایران کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ آخر میں شاعر سلطان ٹیپو سے مکالمہ کرتے ہیں۔ آخر میں وہ سلطان ٹیپو شہید کا یہ قول دہراتے ہیں:

زندگی را پیست رسم و دین و کیش

یک دم شیری بہ از صد سال میث (۲۷)

شاعر سلطان ٹیپو سے مکالمے کے بعد قرب الہی پاتے ہیں، جہاں شاعر تجلیات میں غرق ہو جاتے ہیں۔ رب کے حضور دست بہ دعا ہوتے ہوئے یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

خطاب بہ جاوید:

کتاب کے اختتام پر شاعر مشرق نے اپنے فرزند کو مخاطب کر کے اپنی قوم کو ایک پیغام دیا ہے۔ یہ دراصل نئی نسل کے لیے ایک پیغام ہے۔ جس میں مادیت کے عارضی وجود، سیاست اور علم و عقل پر بحث کی گئی ہے۔ شاعر کو اپنے دور کے مسلمانوں سے شکایت ہے کہ وہ اپنی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ شاعر عوام کے ساتھ خواص سے شکوہ کرتے ہیں کہ انھوں نے اچھے طریقے سے قوم کی رہنمائی نہیں کی۔ خطاب کے آخر میں شاعر نئی نسل کو رومی کی پیروی کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات:

۱۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، (اردو)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۲۰۱۸ء، ص ۴۴

۲۔ ایضاً، ص ۳۶

۳۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، (فارسی)، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۷۹

۴۔ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، اردو اکادمی، دہلی، جلد اول، ۱۹۸۹ء، ص ۳۳۳

۵۔ اسرار خودی: "اسرار خودی" علامہ اقبال کی فلسفیانہ شاعری کی پہلی فارسی کتاب ہے، یہ مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ یہ ۱۹۱۵ء میں شائع ہو چکی

تھی۔

۶۔ شیخ اکبر محمد الدین محمد ابن العربی الحاتمی الطائی الاندلسی (۱۱۶۵ء۔ ۱۲۴۰ء) مسلم دنیا کے ممتاز صوفی، عارف، محقق اور ولی اللہ تھے۔ اسلامی تصوف شیخ اکبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انھوں نے اسلامی تصوف میں وحدت الوجود سب سے پہلے متعارف کیا۔ ان کی تصانیف لگ بھگ پانچ سو کے قریب ہیں۔ جن میں "فصوص الحکم" اور "فتوحات مکیہ" مشہور ہیں۔

۷۔ دانستے: دانستے کی پیدائش اٹلی کے شہر فلورنس میں ۱۲۶۵ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے شہر فلورنس میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم بلونا اور پیڈوا یونیورسٹی سے فلسفے میں مکمل کی۔ ماں باپ بچپن میں فوت ہو چکے تھے۔ اس کا عہد فلورنس میں سیاسی عدم استحکام کا زمانہ تھا۔ مخالف جماعت نے جب ان کو پھانسی کا حکم دیا۔ تو جلاوطنی اختیار کی اور تادم مرگ جلاوطن رہے۔ جلاوطنی کے زمانے میں انھوں نے اپنی معروف کتاب "طریبہ خداوندی" تکمیل تک پہنچائی۔ اگست ۱۳۲۱ء کو وفات پائی۔

۸۔ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، اردو، ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۰

۹۔ ایضاً، ص ۱۲۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۳۶

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۳۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۸۹

۱۳۔ سردار بیگم: سردار بیگم علامہ اقبال کی باپردہ اور پاک بازیوی تھی۔ دونوں کی شادی ۱۹۱۳ء میں ہوئی تھی۔ ان کا انتقال مئی ۱۹۳۵ء میں

ہوا۔

۱۴۔ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، اردو اکادمی، دہلی، جلد سوم، ۱۹۸۹ء، ص ۳۳۳

۱۵۔ جاوید اقبال: فرزند اقبال جاوید اقبال ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے لندن سے (دی ڈی وپنٹ آف مسلم پولیٹیکل فلاسفی) میں پی ایچ ڈی اور لندن ہی سے بیرسٹریٹ لاء کی ڈگری حاصل کی تھی۔ ۱۹۷۱ء میں وہ ہائی کورٹ کے جج بنے جبکہ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۶ء تک وہ چیف جسٹس آف پاکستان رہے۔ ان کو امریکہ اور ترکی کی سلجوق یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں دی گئی تھیں۔ جاوید اقبال نے اپنے والد کے حالات پر "زندہ رود" اور خود نوشت "اپنا گریباں چاک" کے نام سے لکھی ہے۔ آپ ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۵ء کو دارفانی سے کوچ کر گئے۔

۱۶۔ علامہ اقبال، جاوید نامہ: مقدمہ، حواشی و تعلیقات، مترجم ارشاد شاکر اعوان، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۱۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۹

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۱

۱۹۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، (فارسی)، ص ۴۸۶

۲۰۔ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم، ۱۹۸۹ء، ص ۳۳۸

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۴۱

۲۲۔ ایضاً، ص ۶۷۶

۲۳۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، ۱۹۹۳ء، ص ۵۶۹

۲۴۔ ایضاً، ص ۵۹۳

۲۵۔ ایضاً، ص ۶۱۴

۲۶۔ ایضاً، ص ۶۲۶

۲۷۔ ایضاً، ص ۶۵